مولانا منور حسین بالہم

شہادت مقصودِ مومن

آخرت کے ساتھی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نے فکر انسانی میں جو حیرت انگیز انقلاب برپا کیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فکر و نظر کے پیمانے بدل گئے ان کے نام لیوا زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے۔ اور "فکر دنیا" کی جگہ فکر آخرت نے لے لی۔ موت نے حیات کی جستجو شروع کر دی اور شوق شہادت ابدی زیست کا سامان فراہم کرنے میں سرگرداں رہنے لگا۔

حضرت بشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ شہداء بدر میں سے تھے۔ غزوہ احد سے قبل عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کو خواب میں ملے اور کہنے لگے۔

"عبداللہ تم جلد ہی ہمارے پاس آجاؤ گے"

عبداللہ بن عمرو فرماتے تھے، میں نے پوچھا تم کہاں ہو؟ کہا، جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کے لیے چلے جاتے ہیں۔ میں نے کہا کیا تم بدر میں شہید نہیں ہو گئے تھے؟ مبشر بولے

"بے شک میں شہید ہو گیا تھا لیکن دوبارہ زندگی عطا کی گئی ہے"

عبداللہ بن عمرو بن حرامؓ کے لیے یہ خواب تعجب کا باعث بنا اور اس صاحب مجلس کے پاس تشریف لے گئے جس کی مجلس زندگی کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھاتی تھی۔ عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں نے آج رات یہ خواب دیکھا ہے، اس کی تعبیر ارشاد ہو۔ آپؐ نے فرمایا "اس کی تعبیر تو شہادت ہے"[1]

تعبیر پوری ہونے کا وقت آگیا۔ صبح احد کا معرکہ کارزار گرم ہونے والا تھا، اپنے بیٹے حضرت جابرؓ کو بلایا اور وصیت کی۔

"میرے بیٹے! صبح جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید ہوں گے، مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے پہلا آدمی ہوں گا۔ تم یقین رکھو اپنے بعد جن لوگوں کو چھوڑ کر میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ پیارے مجھے تم لگتے ہو۔ جو قرض میرے ذمے ہے اسے تم ادا کر دینا۔ اپنی بہنوں کا خیال رکھنا"[2]

---

[1] زاد المعاد ج ۲ ص ۹۶ [2] صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰۔

ہفتہ کے دن صبح دم رزمِ حق و باطل میں پہلا وار کھایا، اور صحابہؓ میں پہلا شہید یہی عبداللہ بن عمرو بن حرام تھا۔ اسامہ بن اعور بن عبید نے انہیں شہید کیا تھا۔[1] خواب کی تعبیر جو زبان رسالت سے ملی تھی، پوری ہوگئی۔ مبشر بن عبدالمنذر نے جو اطلاع دی تھی اس کا وقت آگیا تھا۔

مشرکین مکہ کو صرف ان کے قتل پر چین کیسے آسکتا تھا، انہوں نے ان کے ناک اور کان کاٹ کر لاش کو بگاڑ دیا۔ جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھا گیا۔ جس کو باپ نے شب وصیت کی تھی۔ جابرؓ وہ بھی آگیا، بار بار منہ پر سے کپڑا ہٹا کر اپنے شہید والد کو دیکھتے تھے اور زار و قطار روتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظر دیکھ کر کپڑا ان کے چہرے سے ہٹوا دیا۔ ان کی بہن فاطمہ جو پاس کھڑی تھیں، اپنے بھائی کی لاش کو دیکھ کر تڑپ اٹھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کون ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یہ عبداللہ کی بہن فاطمہ[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ اٹھانے کا حکم دیا۔ جنازہ جب مدفن کی طرف روانہ ہوا، تو ان کی بہن فاطمہ پھر اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکیں، صبر کا دامن چھوٹ گیا، اور بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔ فاطمہ جسے اپنے بھائی کی محبت یہاں کھینچ لائی تھی، رو رہی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی، بتایا ان کے بھائی کو کس رتبے پر فائز کیا ہے۔ اور فرمایا۔

"تم کیوں روتی ہو؟ میں نے دیکھا جب تک ان کا جنازہ رکھا رہا اللہ کے فرشتے برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کئے رہے"[3]

کس قدر عظمت کا حامل ہے فاطمہ کا بھائی اور جابر کا باپ یہ عظیم شہید جس کے جنازے پر اللہ کے فرشتوں نے سایہ کیا۔

تدفین کا مرحلہ پیش آیا تو انہیں اور ان کے بہنوئی۔ عمرو بن جموح۔ کو ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اکٹھے دفن کرنے کا حکم دیا اور فرمایا[4]

ادفنوا هذين المتحابين في الدنيا في قبر واحد (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۱۵)

ان دونوں کو دنیا میں ایک دوسرے سے محبت تھی، انہیں ایک ہی قبر میں دفن کردو۔

اللہ ہی کے لیے محبت کرنا کتنا ثمر بار اور نتیجہ خیز ہے کہ ایسا آدمی اپنے عمل کے نفع سے دنیا اور آخرت دونوں میں بہرہ ور ہے۔

وہ جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کی تجہیز و تکفین فرمائی

---

[1] اسد الغابہ۔ ج ۲ ص ۲۳۳ [2] صحیح بخاری ج ص ۱۷۲، [3] صحیح مسلم ج ص ۲۹۲ [4] زاد المعاد۔ ج ۲ ص ۲۱۵

ان کی شہادت کے عنداللہ مقبول ہونے کی ایک کھلی ہوئی دلیل اس وقت سامنے آئی جب جنگِ احد کے چھیالیس ۴۶ برس بعد یہ قبر ایک سیلاب کی وجہ سے کھل گئی۔ اس طویل عرصہ میں لاش کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہو جاتا، جسم مٹی میں مل جاتا ہے اور نام و نشان مٹ جاتا ہے لیکن دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ دونوں کے جسم محفوظ تھے۔ عبداللہ بن عمرو نے اپنا ہاتھ اس زخم پر رکھا ہوا تھا جو احد میں انہیں لگا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چاہا گیا کہ سیدھا کر دیا جائے، تو ہاتھ کے ہٹانے ہی خون بہنے لگا۔ لوگوں نے ہاتھ کو دوبارہ ان کے زخم پر رکھ دیا تو خون رک گیا۔[1]

چھیالیس ۴۶ برس کے بعد بھی جسم محفوظ رہے بلکہ شہید کا ہاتھ جب ہٹایا جائے تو خون بہنا شروع ہو جائے، خواہ کسی کی عقل اسے تسلیم کرے یا نہ کرے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اس آیت کریمہ کی عملی تفسیر تھی جس میں فرمایا گیا ہے[2]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، رزق پاتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ایک قانون ہے کہ اس نے حرام اشیاء کے کھانے سے انسانوں کو منع فرمایا، اور اللہ کے بہت سے بندے ان چیزوں کے پاس بھی نہیں پھٹکتے۔ اسی طرح زمین بھی اللہ کی مخلوق ہے اگر اس پر شہداء یا انبیاء علیہم السلام یا کسی صالح میت کا جسم کھانا حرام کر دیا گیا ہو، تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جسے تسلیم کرتے ہیں "جدید تہذیب" اور "روشن خیالی" کو شرم محسوس ہوتی ہے۔

حضرت جابرؓ کو والد کی شہادت پر طبعاً دکھ تھا، ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا جابر! کیا ہوا، بہت پریشان دکھائی دیتے ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول والد کی شہادت، قرض اور اہل و عیال کی ذمہ داری سے پریشان ہوں۔

فرمایا! جابر تجھے ایک خوشخبری سناؤں۔ عرض کیا کیوں نہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور سنایئے۔ تو فرمایا سن۔ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص سے بغیر پردے کے کلام نہیں فرمایا لیکن تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور بالمشافہ گفتگو کی۔ فرمایا میرے بندے کوئی تمنا ہو تو بتاؤ؟ تمہارے باپ نے عرض کیا کہ واپس دنیا میں لوٹا دیجئے، آپ کی راہ میں دوبارہ مارا جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ طے ہو چکا مرنے

---

[1] زاد المعاد ج ۳ ص ۲۱۶

کے بعد دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جاتا۔

اس شہید پر اللہ نے جو کرم فرمایا ہے، حق تو یہ ہے کہ اس کی شہادت کی موت پر ہزار زندگیاں قربان۔ جس کے جنازے پر فرشتوں نے پر بچھائے ہوں، رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنازہ پڑھایا ہو، تدفین کا حکم فرمایا ہو، شہادت مقبول ہونے کی حسی علامات تک ظاہر کر دی گئی ہوں اور اللہ سے بالمشافہ گفتگو کا اعزاز بخشا گیا ہوگا، اس کی عظمتوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ موت سے کس کو مفر ہے؟ جو بھی زندہ ہے، مرنے ہی کے لیے ہے اور جس نے زندگی گزاری ہے انجام کار موت سے کیسے بچ سکتا ہے۔ جب یہ قدرت کا اٹل اور طے شدہ قانون ہے تو کیوں نہ اچھی سے اچھی موت کا انتخاب کیا جائے؟ اپنا بس جہاں تک چلے زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارنے کے بعد موت بھی اسی کی راستے کی مانگی جائے۔ اہل صدق وصفا کی شہادتیں آج بھی رہنمائی کے لیے مینارہ نور ہیں۔ یہ ہمارا ماضی تھا جس سے ہمیں زندگی گزارنے کے ڈھنگ مل رہے ہیں لیکن آج جو ہمارا "حال" ہے وہ مستقبل کی نسلوں کا "ماضی" ہوگا۔ ہم آنے والی نسلوں کے لیے ایک درخشندہ ماضی جبھی فراہم کر سکتے ہیں جب ہم صدق دل سے اس پر عمل پیرا ہو جائیں[۲]

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری (ساری) عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت (سب) جہانوں کے پروردگار اللہ ہی کے لیے ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم ملا ہے اور میں مسلموں میں سب سے پہلا ہوں۔

مولانا نصر اللہ خاں عزیز نے ان آیات قرآنی کا مفہوم کس خوب صورت انداز میں درج ذیل شعر میں سمو دیا ہے۔

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے غازی

۱؎ ترمذی ج ۲ کتاب التفسیر، سورۂ آل عمران ۲؎ القرآن ۱۶۲-۶